

ربنا سٹارسس

ریسرچ اسکالر

شعبہ اردو، جامعہ کراچی

پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد

نگراں مقالہ

اُردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے تناظر میں

ABSTRACT

Rhetorics and Urdu's progressive poetry: In the perspective of few selected poets of Urdu.

By Reena Stassis, Research Scholar, Department of Urdu, University of Karachi.
Prof. Dr. Zulqarnain (Research Supervisor)

Rhetorics is an inseparable part of poetry and in Urdu sometimes it is so overwhelming that poetry becomes just a way of showing one's command over language and rhetorical practices. But the progressive writers of Urdu under the influence of Marxism mostly composed the kind of poetry that turned into mess word-play due to over-emphasis on rhetorics. Yet there are many modern-day progressive writers of Urdu who have artfully used the art of rhetorics to make their poetry more attractive and literarily more acceptable. Such progressive writers include Makhdom Mohiuddin, Faiz Ahmed Faiz, Sahir Ludhyanvi, Kaifi Azmi and others. The research scholar in this paper has first described some characteristics of rhetoric and then evaluated the poetry of these poets mentioning the use of figures of speech.

شاعری اور علم البیان کا تعلق نہایت گہرا ہے۔ شاعری چاہے مغرب کی ہو یا پھر مشرق کی، علم البیان سے اس کا تعلق ہمیشہ رہا ہے۔ شاعر اپنے جذبات کی عکاسی کے لیے جب زبان اور الفاظ کو محدود پاتا ہے تو وہ علم البیان کا سہارا لیتا ہے۔ اپنے موضوع کی طرف بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ قارئین کے لیے ”بیان“ کو مختصراً واضح کر دیا جائے۔
عابد علی عابد لفظ ”بیان“ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

... اصطلاحی طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ کلمات و الفاظ دو طرح استعمال ہوتے

ہیں۔ ایک تو اپنے لغوی معنوں میں یعنی لغت بتاتی ہے کہ یہ کلمات اور الفاظ کس

معنی پر دلالت کرتے ہیں، اور ایک غیر لغوی یا غیر وضعی معانی میں یعنی لغت ان کے معانی پر دلالت نہیں کرتی، نہ وہ ان معانی کے لیے وضع ہوتے ہیں جن کے لیے وہ استعمال کیے جاتے ہیں بلکہ ہم دلالتِ عقلی سے حکم لگاتے ہیں۔ سیاق و سباق پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس جملے میں بعض الفاظ اپنے لغوی معنی یا وضعی معنی میں استعمال نہیں کیے گئے۔ توسیع زبان کی یہ کوشش جو درحقیقت مجاز کا دوسرا نام ہے۔^(۱)

اب بیان میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں ان پر غور کرنا چاہیے:

علم بیان وہ علم ہے جو مجاز، تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل، کنایہ سے اس طرح بحث کرتا ہے کہ اس پر حاوی ہونے کے بعد فنکار، انشاء پرداز یا خطیب اپنے مفہوم کے ابلاغ میں کامیاب ہو سکے۔^(۲)

یعنی بیان (مجاز) میں تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ سے بحث کی جاتی ہے۔ ذیل میں ان ارکان کی تعریفات کو مختصراً تحریر کیا جا رہا ہے۔

تشبیہ:

تشبیہ کے لغوی معنی مشابہت دینے یا تمثیل کے ہیں۔ علم بیان کی رو سے کسی چیز کو کسی خاص صفت کی بنا پر کسی دوسری چیز سے مماثل یا مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ تاہم جس چیز سے مماثلت ظاہر کی جا رہی ہے وہ چیز خوبی میں پہلی کے مقابلے میں بڑھ کر ہونی چاہیے یعنی اُس کی صفت مُسَلَّم ہو تبھی جامع صورت ہوگی۔^(۳) مثلاً ”اس کنویں کا پانی شہد کی طرح بیٹھا اور برف کی مانند ٹھنڈا ہے۔“ اس جملے کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد کی مٹھاس اور برف کی ٹھنڈک مسلمہ طور پر پانی میں موجود صفات سے بڑھ کر ہیں۔
تشبیہ کو سمجھنے کے لیے ارکان تشبیہ کو دیکھنا ہوگا۔

ارکان تشبیہ:

ارکان تشبیہ یہ ہیں: ۱۔ مشبہ اور مشبہ بہ، ۲۔ وجہ تشبیہ، غرض تشبیہ، ۳۔ ادائے تشبیہ
مشبہ وہ چیز ہے جس کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دیں اور مشبہ بہ وہ چیز ہے جس سے کسی کو تشبیہ دیں۔^(۴) مندرجہ بالا مثال میں پانی مشبہ اور شہد اور برف مشبہ بہ ہیں۔

استعارہ:

استعارہ کے لغوی معنی اُدھار لینے یا اُدھار مانگنے کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں استعارہ اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے حقیقی معنی کے بجائے غیر حقیقی یعنی مجازی معنی میں استعمال ہو اور حقیقی اور مجازی معنی میں تشبیہ کا تعلق ہو۔ یعنی لفظ کے حقیقی معنی کا لباس اُدھار لے کر مجازی معنی کو پہنانے کا نام استعارہ ہے۔^(۵)

تشبیہ میں ایک چیز کو دوسری کی مانند قرار دیا جاتا ہے جبکہ استعارہ میں ایک چیز کو بالکل دوسری چیز ہی قرار دے دیا جاتا ہے۔

ارکانِ استعارہ:

مستعار لہ..... وہ شے یا شخص جس کے لیے لفظ اُدھار لیا گیا ہو۔
مستعار منہ..... وہ شے یا وہ شخص جس سے لفظ اُدھار لیا گیا ہو۔

وجہ جامع:

استعارہ میں مشترک صفت یا خوبی جس کی وجہ سے ایک شے کہہ کر دوسری مراد لے سکیں۔
اب ایک مثال کے ذریعے استعارے کو سمجھتے ہیں۔

سورج نے جاتے جاتے شامِ سیہ قبا کو
طشتِ اُفتق سے لے کر لالے کے پھول مارے^(۶)

اس شعر میں آسمان پر پھیلی ہوئی شفق مستعار لہ ہے اور لالے کے پھول مستعار منہ ہیں۔ وجہ جامع سرخ رنگ ہے۔

مجازِ مرسل:

اصطلاح میں یہ وہ لفظ ہے جو اپنے حقیقی معنوں کے بجائے غیر حقیقی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کے سوا کوئی اور علاقہ ہو۔^(۷) اس علاقے کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل جملوں کو دیکھیے:

- ۱۔ نصرت آنا گوندھ رہی ہے۔
- ۲۔ سورج مشرق سے نکلتا ہے۔
- ۳۔ میرا ہاتھ درد کر رہا ہے۔

مندرجہ بالا جملوں میں ”آنا“، ”مشرق“ اور ”ہاتھ“ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی ان الفاظ

اردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے تنظیر میں

سے وہی معنی مراد ہیں جو حقیقی طور پر ان کے معانی ہیں۔

اب ان جملوں پر غور کریں:

۱- سرمد چٹلی سے آنا پسو الایا ہے۔

۲- مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہے۔

۳- اس معاملے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

مندرجہ بالا جملوں میں ”آنا“، ”مشرق“ اور ”مغرب“ اور ”ہاتھ“ مجازی معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ پہلے جملے میں آنا سے مراد ”گندم“ ہے جو ”آٹے“ کی ماضی کی حالت ہے۔ دوسرے جملے میں ”مشرق و مغرب“ سے مراد تمام کائنات ہے اور تیسرے جملے میں ہاتھ سے مراد قدرت یا طاقت ہے۔ ان جملوں میں الفاظ اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور ان میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہے۔^(۸)

مجاز مرسل کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً:

۱- گل کہہ کر جزو مراد لینا

۲- جزو کہہ کر گل مراد لینا

۳- سبب کہہ کر مسبب مراد لینا

۴- مسبب کہہ کر سبب مراد لینا

۵- ماضی کی حالت بول کر موجودہ حالت مراد لینا وغیرہ

ایک شعر کی مثال دیکھیے:

رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرانے کا نام

موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام^(۹)

اس شعر میں شاعر موسم گل سے مراد بہار کا تمام موسم لیتا ہے۔ گل موسم بہار کا ایک جزو ہے۔ چنانچہ یہاں جزو کہہ کر گل مراد لی گئی ہے۔

کنایہ:

کنایہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی پوشیدہ بات، پوشیدہ طور پر بات کہنا، اشارہ یا خفیہ اشارہ کے ہیں۔ علم بیان کی رو سے یہ وہ کلمہ ہے جس کے معنی مبہم اور پوشیدہ ہوں اور ان کا سمجھنا کسی قرینے کا محتاج ہو اور وہ اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں اس طرح استعمال ہوا ہو کہ اس کے حقیقی معانی بھی مراد لیے جاسکتے ہوں۔^(۱۰)

کنایہ کے دو اجزا ہیں:

- ۱۔ صفت (لازم) وہ معنی جو کنائے میں موصوف (ملزوم) کے لیے مراد لیے جائیں۔
 - ۲۔ موصوف (ملزوم) وہ شخص یا چیز جس کی طرف کنایہ (اشارہ) کرنا مقصود ہو۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ: ”بال سفید ہو گئے مگر عادتیں نہ بدلیں“ اس جملے میں صفت (لازم) کے حوالے سے بال سفید ہونا مراد ہے۔ اور موصوف (ملزوم) کے حوالے سے ”بڑھاپا“ مراد ہے۔ لہذا مندرجہ بالا جملے میں ”بال سفید ہو گئے“ کے حقیقی اور مجازی معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔^(۱۱)
- علم البیان کو مختصراً سمجھ لینے کے بعد ترقی پسند شعرا کے ہاں علم البیان کی مختلف کیفیات کا جائزہ مختصراً لیا جائے گا۔ ترقی پسند شاعروں میں چند اہم شعرا کو منتخب کر کے ان کے ہاں تشبیہ، استعارے، مجاز مرسل اور کنایہ کی کیفیات اور استعمال کو سمجھتے ہوئے اپنے مضمون کا اختتام کریں گے۔

ترقی پسند تحریک سے وابستہ شاعروں نے اردو شاعری پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اور اردو شاعری میں علم البیان کو نئے معنی عطا کیے ہیں۔ محبت و عشق اور انقلاب کے رنگوں کی آمیزش نے اردو شاعری کے کیونوں پر طرح طرح کی نادر اور خوب صورت تصاویر تخلیق کی ہیں جن سے آج کا قاری روگردانی نہیں کر سکتا۔

ترقی پسند تحریک کی ابتدا سے لے کر اس تحریک کے زوال پذیر ہونے تک بیشتر شعرا نے اپنے فن سے اس تحریک اور اردو شاعری کو جلا بخشی۔ پُرانی تشبیہات، استعاروں کنایوں کو نئے معانی عطا کیے۔ تمبیحات نئے انداز سے نظر آئیں۔ ترقی پسندوں نے کسی طرح بھی اپنی روایتی شاعری سے منھ نہیں پھیرا تاہم کچھ نئے انداز اور اسالیب ہمیں ضرور عطا کر دیے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ چند اہم شعرا مثلاً مخدوم محی الدین، فیض، کیفی اعظمی، ساحر لدھیانوی اور جاں نثار اختر کی شاعری سے علم البیان کی مثالیں ملاحظہ کی جائیں گی۔

تشبیہات کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

عشق کے شعلے کو بھڑکاؤ کہ کچھ رات کٹے
دل کے انگارے کو دہکاؤ کہ کچھ رات کٹے^(۱۲)

(مخدوم)

خونِ دہقان میں امارت کے سفینے تھے رواں
ہر طرف عدل کی جلتی ہوئی میت کا دھواں^(۱۳)

(ولہ)

اگر شرر ہے تو بھڑکے، جو پھول ہے تو کھلے
طرح طرح کی طلب، تیرے رنگ لب سے ہے^(۱۴)

(فیض)

اردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے متنظر میں

صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکر وطن
تو چشم صبح میں آنسو اُبھرنے لگتے ہیں^(۱۵)

(ولہ)

جبین تابناک میں کھلی ہوئی تھی چاندنی
وہ چاندنی میں عکس لالہ زار کے آئی تھی^(۱۶)

(کیفی اعظمی)

یہ تیرگی کا ہجوم کب تک یہ یاس کا اژدہام کب تک
نفاق و غفلت کی آڑ لے کر جیے گا مردہ نظام کب تک^(۱۷)

(ولہ)

در و دیوار پہ انوار کا سیلاب رواں
جیسے اک شاعر مدہوش کے خوابوں کا جہاں^(۱۸)

(ساحر لدھیانوی)

جمع ہوئے ہیں چوراہوں پر آ کر بھوکے اور گداگر
ایک لپکتی آنڈھی بن کر ایک بھبھکتا شعلہ ہو کر^(۱۹)

(ولہ)

تیرے بن ، رات کے ہاتھوں پہ یہ تاروں کے ایانخ
خوب صورت ہیں ، مگر زہر کے پیالوں کی طرح^(۲۰)

(جاں نثار اختر)

گرتی ہوئی بجلی ہے تڑپتا ہوا پارا
اُٹا ہوا سیلاب ہے مڑتا ہوا دھارا
چڑھتی ہوئی آنڈھی ہے تو بڑھتا ہوا طوفان

بیدار ہے انسان^(۲۱)

(ولہ)

استعارات کا استعمال ملاحظہ ہو:

کوئی جلتا ہی نہیں ، کوئی پگھلتا ہی نہیں
موم بن جاؤ ، پگھل جاؤ کہ کچھ رات کئے^(۲۲)

(مخدوم محی الدین)

نکھتِ یار سے آباد ہے ہر کنجِ قفس
مِل کے آئی ہے صبا اُس گل تر سے پہلے

(ولہ)

غورِ سرو و سمن سے کہہ دو کہ پھر وہی تاجدار ہوں گے
جو خار و خسِ والیٰ چن تھے عروجِ سرو و سمن سے پہلے^(۲۳)

(فیض احمد فیض)

سنگ و فولاد سے ڈھالے ہوئے جتاتِ گراں
جن کے چنگل میں شب و روز ہیں فریادِ کناں
میرے بیکارِ شب و روز کی نازکِ پریاں^(۲۴)
آندھیاں توڑ لیا کرتی تھیں شمعوں کی لویں
جڑ دیے اس لیے بجلی کے ستارے ہم نے^(۲۵)

(ولہ)

اس ستارے میں جس میں صدیوں کے
جھوٹ اور کذب کا اندھیرا ہے
اس ستارے میں ، جس کو ہر رُخ سے
ریگتی سرحدوں نے گھیرا ہے^(۲۶)

(کیفی عظمیٰ)

راج محل کے دربانوں سے یہ سرکش طوفاں نہ رُکے گا
چند کرائے کے تنکوں سے سیلِ بے پایاں نہ رُکے گا^(۲۷)

(ساحر لدھیانوی)

وہ تارے جن میں محبت کا نور تاباں تھا
وہ تارے ڈوب گئے لے کے رنگ و رعنائی^(۲۸)

(ولہ)

پھول کی خوشبو سے مہکے گا دماغِ عندلیب
شمع کی لوجذب ہو جائے گی پروانے میں آج^(۲۹)

(جاں نثار اختر)

چھا رہی ہیں ہر طرف ظلمتیں تو غم نہیں
روح میں کھلی ہوئی چاندنی کا ساتھ دو^(۳۰)

(ولہ)

مجاز مرسل کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

سانس رکتی ہے پھلکتے ہوئے پیانوں کی
کون لیتا تھا ترا نامِ وفا آخرِ شب^(۳۱)

(جاں نثار اختر)

اندھیرے میں اب ساتھ کیا دیکھتا ہے، دیا بوجھ گیا
بہر حال چل، رات کیا دیکھتا ہے، دیا بوجھ گیا^(۳۲)

(مخدوم)

اب وہی حرف جنوں سب کی زباں ٹھہری ہے
جو بھی چل نکلی ہے وہ بات کہاں ٹھہری ہے^(۳۳)

(ولہ)

دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے^(۳۴)

(فیض)

رُوح بے چین ہے اک دل کی اذیت کیا ہے
دل ہی شعلہ ہے تو یہ سوزِ محبت کیا ہے^(۳۵)

(ولہ)

جب بھی چوم لیتا ہوں ان حسین آنکھوں کو
سو چراغِ اندھیرے میں جھلملانے لگتے ہیں^(۳۶)

(کیفی اعظمی)

دور مغرب میں ہے، مشرق کی فضا میں تو نہیں
تم کو مغرب کے کھیڑوں سے بھلا کیا لینا^(۳۷)

مرے بغیر بھی تم نے دیے جلانے ہیں
مرے بغیر بھی دیکھا ہے ظلمتوں کا نزول^(۳۸)

(ساحر لدھیانوی)

چلا ہوں ایک شہرِ رنگ و بو سے
بنارس جا رہا ہوں لکھنؤ سے^(۳۹)
پکپتی آ رہی ہے تیز بجلی
برستا آ رہا ہے مست بادل^(۴۰)

(جاں نثار اختر)

کنائے کی مثالیں دیکھتے ہیں:

اُسی چمن میں چلیں جشنِ یاد یار کریں
دلوں کو چاک گریباں کو تار تار کریں^(۴۱)

(مخدوم سخی الدین)

شہر میں چاک گریباں ہوئے ناپید اب کے
کوئی کرتا ہی نہیں ضبط کی تاکید اب کے^(۴۲)

(فیض)

جھونپڑوں میں گھرا یہ دیرانہ
مُچھلیاں دن میں سوکتی ہیں جہاں
بلیاں دور بیٹھی رہتی ہیں
اور خارش زدہ سے کچھ کتے
لیٹے رہتے ہیں بے نیازانہ
دُم مروڑے کہ کوئی سر کچلے
کاٹنا کیا وہ بھونکتے بھی نہیں^(۴۳)

(کیفی عظمیٰ)

ناگاہ بہتے کھیتوں سے ٹاپوں کی صدائیں آنے لگیں
بارود کی بو جھل بو لے کر پچھم سے ہوائیں آنے لگیں^(۴۴)

(ساحر لدھیانوی)

ہمیں تو اتنا پتا ہے کہ جب تک ہم ہیں
رواج چاک گریباں نہیں بدلنے کا^(۳۵)

(جاں نثار اختر)

علم البیان کی مندرجہ بالا مثالیں اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں کہ ترقی پسند شعرا نے اردو شاعری کو نئے زاویے اور جہتیں عطا کیں اور اپنے دور کے حالات کی عکاسی بھرپور انداز سے کی۔ یہ شاعری کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں کے جذبات کی عکاسی اس انداز سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والا واقعی ایک بھرپور تاثر قبول کرتا ہے۔ اگرچہ ترقی پسند شعرا میں سے ہر ایک کا الگ اور جدا انداز ہے تاہم وہ بات ایک ہی نظریے کی کرتے ہیں اور پُرزور انداز میں کرتے ہیں۔ مخدوم کا لہجہ، جوش اور دلولے سے آراستہ ہے اُن کے الفاظ اور ان کی تراکیب بلند آہنگ لہجے کی آئینہ دار ہے۔ مثلاً جب وہ کہتے ہیں:

عشق کے شعلے کو بھڑکاؤ کہ کچھ رات کٹے
دل کے انگارے کو دہکاؤ کہ کچھ رات کٹے^(۳۶)

یہ تشبیہات نہایت پُر اثر ہیں۔ مخدوم فطری شاعر تھے انھوں نے اپنی شاعری میں وجدان کو خاص جگہ دی ہے اسی لیے ان کے استعارات و کنایوں اور تشبیہات میں تخیلات کی کارفرمائی ہے۔ یہ مثال دیکھیے:

موم کی طرح جلتے رہے ہم شہیدوں کے تن
رات بھر جھلملاتی رہی شمع صبح وطن
رات بھر جگمگاتا رہا چاند تاروں کا بن
تفنگی تھی مگر
تفنگی میں بھی سرشار تھے
پیاسی آنکھوں کے خالی کٹورے لیے
منتظر مردوزن...

(چاند تاروں کا بن)^(۳۷)

فیض بھی مخدوم کی طرح تخیلاتی انداز کو اپنائے ہوئے ہیں۔ فیض کی شاعری کا آغاز عشق و محبت کی واردات سے ہوا تاہم ترقی پسند تحریک میں شامل ہونے کے بعد ان کی زندگی کا زاویہ نظر تبدیل ہو گیا اور ”مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ“ جیسی نظم تخلیق ہوئی اور ایک نیا جہان معانی تخلیق ہونا شروع ہوا۔

اردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے تناظر میں

فیض کے علم البیان کی کیفیات نہایت پُراثر اور پُرکیف ہیں۔ ان کا انقلاب نعرہ نہیں ہے چنانچہ انھوں نے دھیمے لہجے میں معاشرتی مسائل اور نچلے طبقے کی عکاسی کی ہے اور تخیلاتی فضا کو قائم رکھا ہے۔

صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکر وطن
تو چشم صبح میں آنسو اُبھرنے لگتے ہیں
غرورِ سروِ سمن سے کہہ دو کہ پھر وہی تاجدار ہوں گے
جو خار و خس والی چمن تھے عروجِ سروِ سمن سے پہلے

(نسخہ ہائے وفا)

مندرجہ بالا تشبیہ اور استعارے کی مثال میں بہار اور اس کے متعلقات کا ذکر ہے مگر یہ تشبیہات اور استعارے وطن سے منسلک ہو گئے ہیں کیونکہ فیض نے روایتی علامات کو نئے معانی عطا کیے اور اس طرح ایک الگ طرز آہنگ کی بنیاد رکھی۔ کیفی اعظمی کی شاعری میں بلند آہنگی کا عنصر کسی حد تک نمایاں ہے۔ وہ لکارتے ہوئے سامراجی قوتوں سے مخاطب ہوتے ہیں۔ یہ تشبیہات ملاحظہ ہوں:

عزم کا کوہ گراں درد کی دیوار ہیں ہم
زخم کا زخم ہیں تلوار کی تلوار ہیں ہم
جیسے چھکی نہیں صدیوں سے یہ بوجھل پلکیں
آج کی رات کچھ اس طرح سے بیدار ہیں ہم
جال سرحد سے اُٹھا جال بچھانے والے^(۳۸)

(نظم پہرہ)

وہ مزدور طبقے اور کچلے ہوئے انسانوں کی بھرپور انداز سے حمایت کرتے ہیں اور کنائے کے ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنے بھرپور مقاصد سے روشناس کراتے ہیں۔ اوپر درج کی گئی مثالوں میں سے کنائے کی مثال دیکھیے:

جھونپڑوں میں گھرا یہ ویرانہ
مچھلیاں دن میں سوکتی ہیں جہاں
بلیاں دور بیٹھی رہتی ہیں
اور خارش زدہ سے کچھ کتے
لیٹے رہتے ہیں بے نیازانہ
دُم مروڑے کہ کوئی سر کچلے
کاٹنا کیا وہ بھونکتے بھی نہیں

اردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے متنظر میں

ساحر لدھیانوی کا انداز رومانوی اور انقلابی امتزاج ہے۔ وہ نرم آواز میں کسانوں، مزدوروں کو ابھارتے ہیں:

دیکھو دُور اُنق کی ضو سے جھانک رہا ہے سرخ سویرا

جاگواے مزدور کسانو! اُٹھو اے مظلوم انسانو!

دھرتی کے ان داتا تم ہو

جگ کے پران ودھاتا تم ہو

دھنپوں کی خوشحالی تم ہو

کھیتوں کی ہریالی تم ہو^(۴۹)

(نظم بلاوا)

رومانوی شاعری کا انداز بھی نہایت دلکش ہے۔ خوب صورت تشبیہ ملاحظہ ہو:

حسین پھول ، حسین پتیاں ، حسین شاخیں

لچک رہی ہیں کسی جسم نازنین کی طرح^(۵۰)

پہلے درج کیے گئے شعر میں مجاز مرسل کا انداز دیکھیے:

مرے بغیر بھی تم نے دیے جلائے ہیں

مرے بغیر بھی دیکھا ہے ظلمتوں کا نزول

جاں نثار اختر بنیادی طور پر رومانوی شاعر ہیں تاہم ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو کر وہ اس نظریے کو بھی بھرپور

انداز میں پیش کرتے ہیں چنانچہ ان کی ابتدائی شاعری رومانوی اور تخیلاتی انداز کو نمایاں کرتی ہے اور علم البیان کے انداز

بھی ویسے ہی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

اُنق پہ دور چمکتا ہوا کوئی تارا

مجھے چراغِ دیارِ حبیب لگتا ہے^(۵۱)

(ولہ)

یہ ترے نغمہ ہائے خواب آگیاں

کیا کہوں اے نگاہِ زہرہ جبیں

جیسے شبنم میں رات دھلتی ہے

جیسے آنکھوں میں نیند گھلتی ہے

جیسے تاروں میں اک تکلم سا

جیسے سوتے میں اک تبتیم سا^(۵۲)

اردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے تناظر میں

جاں نثار اختر کی شاعری کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ قنوطیت کے نہیں بلکہ رجائیت کے پیرو ہیں۔ وہ اہل وطن کو اچھے کل کی اُمید دلاتے ہیں اور انسان کو آگے بڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ علم البیان کی خوب صورت مثال دیکھیے:

اب محفل ہستی میں ہے کچھ اور ہی سماں
پیدا ہے ہر اک عنصر عالم میں نئی جاں
ہر بات کا مقدور ہے ہر امر کا امکان
بیدار ہے انساں
ہونے لگے نابود خداوند زر و سیم
پیدا ہوئی حاجت کے تحت مال کی تقسیم
اب وقت کے ہاتھوں میں ہے انصاف کی میزماں
بیدار ہے انساں^(۵۳)

(نظم بیدار ہے انساں)

”خداوند زرو سیم“ کا کنایہ کتنا معنی خیز تاثر دیتا ہے۔

جاں نثار اختر مارکسی فلسفے کی ترجمانی کرتے ہوئے اُن ظلمتوں کا ذکر کر رہے ہیں جو نچلے طبقے پر روز افزوں گہری ہو رہی تھیں اور یہ چاندنی جو رُوح میں گھل رہی ہے یہ اُمید، محنت اور عزم و حوصلے کی چاندنی ہے۔ یہ استعارہ پرانی لفظیات کی نئی تعبیر کی عمدہ مثال ہے۔

اس مضمون میں کی جانے والی تمام بحث اور مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ترقی پسند شعرا نے اُردو شاعری کی روایت سے جڑتے ہوئے نئے نظام معاشرت اور اس کے تقاضوں کو بھی پوری طرح اپنی شاعری میں سمویا اور وطن اور اس کے مظلوم عوام کے لیے جو استعارے و کنائے استعمال کیے وہ روایت ہی سے اخذ کیے تب ہی اُن کا ابلاغ بہتر طور پر ہو پایا۔ یعنی جب فیض کہتے ہیں:

”سنگ و فولاد سے ڈھالے ہوئے جنات گراں“

تو یہ جنات دراصل قید خانے کی طویل اور دیو قامت سلاخیں ہیں جنہوں نے شاعر کے شب و روز کی پریوں کو قید کر رکھا ہے۔ اب اُردو میں جن، پری اور بھوت جو روایت میں موجود ہے اس کو موثر انداز سے استعمال کرتے ہوئے فیض نے اپنے قید خانے کے شب و روز کا ذکر کیا ہے اور یہ وہ قید ہے جو وہ مظلوم طبقے کی حمایت کرتے ہوئے کاٹ رہے ہیں۔ لہذا ترقی پسند شعرا نے اُردو شاعری کو جو نیا نظام علم البیان عطا کیا ہے وہ خوبصورت ہونے کے ساتھ منفرد بھی ہے۔ جو ”بجلی“ کو صرف محبوب کی نظیر کے ساتھ منسوب نہیں کرتا بلکہ یہ بجلی سرمایہ دارانہ طبقے کا ظلم ہے جو اُس خرمن پر گرتی ہے

اردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے تناظر میں

جو مظلوم اور غریب عوام اور ان کے حقوق ہیں۔

ترقی پسندوں کے ہاں وہی پرانے الفاظ، جو اردو شاعری کا حصہ رہے ہیں، روایتی انداز کے ساتھ ساتھ نئے معانی میں بہت خوبصورتی سے نظر آتے ہیں۔ مثلاً کمان، ابرو، شعلہ، انگارہ، چاند، چمن، تیرگی، اندھیرا، خار، خرمن، بجلی، آندھی، طوفان، جنگل، گنج، قفس، عندلیب، فرشتہ، شیطان، ظلمت، چاک گریباں، لالہ، سُبُو، زاہد، واعظ، ساقی، رقیب، طوق اور جنون وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کے معانی ترقی پسندوں کے ہاں روایتی لہجے میں بھی استعمال ہوئے ہیں اور انہیں نئے معانی بھی عطا کیے گئے ہیں۔

کسی بھی تخلیق کے ابلاغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قاری یا ناظر کے لیے مانوسیت رکھتی ہو۔ ترقی پسند بھی اگر روایت سے مکمل انحراف کر لیتے اور علم البیان کی کیفیات کو بالکل نئے انداز سے پیش کرتے تو یہ ابلاغ مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ ترقی پسندوں کے ہاں روایت سے جڑے رہنے کا احساس بھی ہے اور اس روایت میں جدیدیت کا رنگ بھی نمایاں ہے۔

حواشی:

- (۱) عابد علی عابد، سید، البیان (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۳-۱۵
- (۲) ایضاً، ص ۵۸۔
- (۳) مرثیہ حسین، ڈاکٹر، اردو میں علم بیان اور بدیع کے مباحث (لاہور: مجلس ترقی ادب، اشاعت اول، جولائی ۲۰۱۰ء)، ص ۸۳۔
- (۴) ایضاً، ص ۸۳۔
- (۵) ایضاً، ص ۹۷۔
- (۶) کلبیات اقبال (لاہور: حیدر آباد: کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، فروری ۱۹۷۳ء)، ص ۱۷۳۔
- (۷) مرثیہ حسین، ڈاکٹر، محو لہ بالا، ص ۱۰۴۔
- (۸) ایضاً، ص ۱۰۴۔
- (۹) ایضاً، ص ۱۰۶۔
- (۱۰) ایضاً، ص ۱۰۹۔
- (۱۱) ایضاً، ص ۱۱۰۔
- (۱۲) شفقت رضوی، پروفیسر، حیات اور ادبی خدمات، مخدوم محی الدین، ترقی پسند انقلابی رہنما، ص ۹۵۔
- (۱۳) مخدوم اور کلام مخدوم، نظموں اور غزلوں کا مکمل مجموعہ ابتدا سے ۱۹ مئی ۱۹۶۹ء تک، مرتب: مرزا ظفر الحسن (کراچی: مکتبہ دانیال، سن ندارد)، ص ۶۷۔
- (۱۴) فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا (لاہور: مکتبہ کارواں)، ص ۲۸۹۔

اردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے متنظر میں

- (۱۵) ایضاً، ص ۱۳۳۔
- (۱۶) کیفی اعظمی، آخر شب (کراچی: مکتبہ دانیال، پہلا پاکستانی ایڈیشن، اگست ۱۹۷۷ء)، ص ۲۳۔
- (۱۷) ایضاً، ص ۶۲۔
- (۱۸) گلیات ساحر (لاہور: تزیینہ علم و ادب، اردو بازار، ۲۰۰۱ء)، ص ۶۱۔
- (۱۹) ایضاً، ص ۷۸۔
- (۲۰) گلیات جان نثار اختر (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، باراؤل، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۲۹۔
- (۲۱) ایضاً، ص ۲۶۳۔
- (۲۲) شفقت رضوی، پروفیسر، حیات اور ادبی خدمات، محمولہ بالا، ص ۹۵۔
- (۲۳) ایضاً، ص ۱۳۷۔
- (۲۴) فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، محمولہ بالا، ص ۲۴۰۔
- (۲۵) ایضاً، ص ۱۸۳۔
- (۲۶) کیفی اعظمی، آوارہ سجدے (کراچی: مکتبہ دانیال، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۷۔
- (۲۷) ایضاً، ص ۳۹۔
- (۲۸) گلیات ساحر، محمولہ بالا، ص ۷۹۔
- (۲۹) ایضاً، ص ۶۵۔
- (۳۰) گلیات جان نثار اختر، محمولہ بالا، ص ۳۹۔
- (۳۱) ایضاً، ص ۳۳۱۔
- (۳۲) مخدوم اور کلامِ مخدوم، محمولہ بالا، ص ۱۵۰۔
- (۳۳) ایضاً، ص ۹۲۔
- (۳۴) فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، محمولہ بالا، ص ۱۶۴۔
- (۳۵) ایضاً، ص ۶۳۔
- (۳۶) کیفی اعظمی، آخر شب، محمولہ بالا، ص ۳۵۔
- (۳۷) کیفی اعظمی، آوارہ سجدے، محمولہ بالا، ص ۲۳۔
- (۳۸) گلیات ساحر، محمولہ بالا، ص ۸۵۔
- (۳۹) ایضاً، ص ۱۰۵۔
- (۴۰) گلیات جان نثار اختر، محمولہ بالا، ص ۲۴۳۔
- (۴۱) مخدوم اور کلامِ مخدوم، محمولہ بالا، ص ۱۳۹۔
- (۴۲) فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، محمولہ بالا، ص ۲۸۴۔
- (۴۳) کیفی اعظمی، آوارہ سجدے، محمولہ بالا، ص ۴۰۔
- (۴۴) گلیات ساحر، محمولہ بالا، ص ۱۶۷۔
- (۴۵) گلیات جان نثار اختر، محمولہ بالا، ص ۱۲۳۔

اردو کی ترقی پسند شاعری اور علم البیان: چند منتخب شعرا کے متنظر میں

- (۴۶) شفقت رضوی، پروفیسر، حیات اور ادبی خدمات، محمولہ بالا، ص ۸۳۔
- (۴۷) مخدوم اور کلام مخدوم، محمولہ بالا، ص
- (۴۸) کیفی اعظمی، آوارہ مسجد، محمولہ بالا، ص ۵۴۔
- (۴۹) گلیات ساحر، محمولہ بالا، ص ۸۳۔
- (۵۰) ایضاً، ص ۱۶۴۔
- (۵۱) گلیات جان نثار اختر، محمولہ بالا، ص ۱۸۵۔
- (۵۲) ایضاً، ص ۵۰۔
- (۵۳) ایضاً، ص ۲۶۱۔

ماخذ:

- ۱- اختر، جان نثار، گلیات جان نثار اختر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، مارچ ۲۰۰۳ء۔
- ۲- اعظمی، کیفی، آخر شب، کراچی: مکتبہ دانیال، پہلا پاکستانی ایڈیشن، اگست ۱۹۷۷ء۔
- ۳- اعظمی، کیفی، آوارہ مسجد، کراچی: مکتبہ دانیال، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۷ء۔
- ۴- اقبال، علامہ محمد، گلیات اقبال، لاہور: حیدر آباد: کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، فروری ۱۹۷۳ء۔
- ۵- حسین، ڈاکٹر مریم، اردو میں علم بیان اور بدیع کے مباحث، لاہور: مجلس ترقی ادب، اشاعت اول، جولائی ۲۰۱۰ء۔
- ۶- رضوی، پروفیسر شفقت، حیات اور ادبی خدمات، مخدوم محی الدین، ترقی پسند انقلابی رہنما۔
- ۷- ساحر لدھیانوی، گلیات ساحر، لاہور: خزینہ علم و ادب، اردو بازار، ۲۰۰۱ء۔
- ۸- عابد، سید عابد علی، البیان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔
- ۹- فیض، فیض احمد، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں۔
- ۱۰- محی الدین، مخدوم، مخدوم اور کلام مخدوم، نظموں اور غزلوں کا مکمل مجموعہ ابتدا سے ۱۹ مئی ۱۹۶۹ء تک، مرتب: مرزا ظفر الحسن، کراچی: مکتبہ دانیال، سن ندراد۔